وکالت کی شرعی حیثیت

☆ ڈاکٹر رشید احمد

ABSTRACT:

Islam emphasizes on the establishment of a just society and it is the foremost duty of every Muslim to strive for that. A society can experience peace as long as justice prevails therein; it faces problems only when injustice becomes order of the day. Justice or injustice is the byproduct of human behavior and interaction which at times lead to disputes and conflicts. Justice needs settlement of disputes and conflicts. For that matter it is necessary for judicial system to be in place. The present paper represents a humble attempt to explain and analyze judicial system as developed by the ummah.

دین اسلام جس قسم کا فلاحی معاشرہ بنانے کی ہدایات دیتا ہے۔ ان میں سر فہرست قیام عدل ہے۔ کیونکہ جس معاشرہ میں عدل وانصاف نہ ہو وہاں معاشرے کا کوئی بھی فرد سکون سے زندگی نہیں گزار سکتا۔ زندگی کے مختلف مراحل میں انسان کو مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اکثر ذاتی اور خانگی بہت سے امور خود سرانجام دیتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ان کو اپنے معاملات دوسروں کو سپرد کرنا پڑتے ہیں۔ یہ بحث زندگی کے اسی گوشے سے تعلق رکھتی ہے۔ کہ جب ایک شخص دوسرے شخص کو اپنے معاملات سپرد کرتا ہے ان کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ اس حوالے سے اس بحث کے تین حصے ہیں۔

پہلے حصے میں وکالت کی لغوی واصطلاحی تعریف وتوضیح ہے۔ دوسرے حصہ میں مطلق وکالت پر شرعی نقطہ نظر کو پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ تیسرا حصہ وکالۃ بالخصومۃ کے لئے مختص ہے۔

لغوی تعریف:

وکالۃ کے لغت میں کئی معانی ہیں۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید مرکزِ اسلامی، جامعۂ پشاور۔

۱۔ الحفظ و المراعاة: یعنی بمعنی حفاظت کہتے ہیں کہ

"وكلتك بمالي أي جعلتك حافظاً عليه"(۱)

''میں نے آپ کو اپنے مال کا نگہبان بنایا''

اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک میں وکیل بمعنی حفیظ آیا ہے۔

لا إله إلا هو فاتخذه وكيلا"(۲)

''اس کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں ہے سو آپ اپنا ہر کام سونپنے کے لئے اسی کو مقرر رکھئے''(۳)

۲۔ سپرد کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے:

"وكل يكل وكلا ووكولا إليه الأمر فوّضه إليه "(۴)

''کسی پر بھروسہ کر کے کام چھوڑ دینا، کہا جاتا ہے كلني إلى كذا ''مجھے چھوڑ دو کہ میں اس کام کو کروں''۔

۳۔ کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

"أوكل إيكالا: سپرد کرنا۔ سارا کام کسی کے لئے چھوڑ دینا۔

أوكل بإليه کا معنی ہے کہ اس پر اعتماد اور بھروسہ کیا۔

جبکہ وكلّ، توكيلا، فلانا کا معنی ہے وکیل بنانا۔ اس کا اسم الوكالة (بفتح واو) اور الوكالة (بكسر الواو) دونوں آتا ہے۔

اس کلمہ کے دوسرے مشتقات میں سے الْوَكَلَ والوُكلة والتكل اور الواكل ہیں جن کا معنی ایسے عاجز آدمی کا ہے جو اپنے امور کو دوسرے کے سپرد کر دے اور اس پر بھروسہ کرے۔ الوَكِيْل فعيل بمعنی مفعول ہے یعنی وہ شخص جس پر بھروسہ کیا جائے۔ یا وہ شخص جس کو ایک عاجز آدمی اپنا کام سپرد کر دے۔ اس کی جمع وکلاء ہے(۵)۔

اس سے الوكالة یا الوكالة مشتق ہے۔ یعنی دوسرے شخص کو معاملہ سپرد کرنا۔ (Delegation, Procuration)

اور اسی سے توکیل ہے یعنی دوسرے شخص کو اپنا معاملہ سپرد کرنا اور اس کو تصرف میں اپنا قائم مقام

بنانا[۶] (Appointment)، (Power of Attorney as representative)۔

جبکہ وکیل اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کو تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے یا اس کو تصرف میں اپنا قائم مقام بنایا جاتا ہے۔[۷] (Deputy, agent, proxy, attorney)۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر لفظ وکیل سے یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے۔ مثلاً

وکیل یعنی کارساز:

﴿وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيل﴾[۸]

''اور انہوں نے جواب دیا ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ خوب کارساز ہے''[۹]۔

وکیل بمعنی مختار کار:

﴿وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٌ﴾[۱۱]

''اور نہ آپ ان پر مختار کار ہیں''

وکیل بمعنی گواہ:

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْل﴾[۱۲]

''اور ہم جو کہہ رہے ہیں اللہ اس پر گواہ ہے''[۱۳]

وکیل بمعنی نگہبان:

﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلاً﴾[۱۴]

''سو آپ اپنا ہر کام سونپنے کے لئے اسی کو مقرر رکھئے''[۱۵]

وکیل بمعنی نائب:

﴿اَمَّنْ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا﴾[۱۶]

''یا وہ کونسا شخص ہے جو اس دن ان کا وکیل بنے گا''[۱۷]

وکیل بمعنی سپرد کرنے والا:

﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾(۱۸)

''سو آپ اپنا ہر کام سونپنے کے لئے اسی کو مقرر رکھئے''(۱۹)

وکالۃ کی اصطلاحی تعریف:

۔''الوکالۃ ھی عبارۃ عن اقامۃ الانسان غیر نفسہ فی تصرف جائز معلوم ممن یملکۃ''(۲۰)

یعنی وکالت سے مراد ایک انسان کا دوسرے کو ایسے تصرف میں اپنا قائمقام بنانا ہے، جو جائز، معلوم، اور اسکی ملکیت ہو۔

انسان خواہ کسی بھی معاشرہ میں زندگی بسر کرتا ہوا کیلے اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنی تمام ضروریات اور حوائج یک وتنہا پوری کرے، لازماً اسے دوسروں کی اعانت کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ انہی ضروریات اور حوائج میں ایک شخص دوسرے کو وکیل بناتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات انسان کو اپنی روزمرہ مشاغل کی وجہ سے، عدم فرصت کی وجہ سے، اپنے امور دوسرے کو سپرد کرنا پڑتے ہیں۔ اسی طرح جسمانی عوارض بھی بعض اوقات امور کی خود انجام دہی میں آڑے آجاتے ہیں۔ یا یہ کہ فرصت بھی میسر ہو اور جسمانی عوارض بھی مشکلات پیدا نہ کرتے ہوں لیکن انسان کی علمی حیثیت اس خاص میدان عمل میں وہ نہیں ہوتی جو اس کام کی انجام دہی کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن، سنت اور اجماع کی رو سے وکالت کو امر مشروع گردانا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَابْعَثُوا أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ﴾(۲۱)

''اب تم میں سے ایک شخص کو روپیہ دے کر شہر بھیجو''(۲۲)

یہ آیت مشروعیت وکالت پر اس لئے دلالت کرتی ہے کہ ایک شخص دوسروں کی طرف سے شہر جاتا ہے اور ان کی طرف سے لین دین کا معاملہ کرتا ہے اور اسی کا نام وکالت ہے(۲۳)۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاء وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا﴾(۲۴)

''یہ صدقات مفروضہ تو بس فقیروں اور مسکینوں کا حق ہیں۔ اوران کا حق ہے جو صدقات کے کام پر مامور ہیں''(۲۵)

یہ آیت بھی مشروعیت وکالت پر اس لئے دلالت کرتی ہے کہ عاملین کے لئے جو فقراء کی نیابت کرتے ہیں، صدقہ میں لینا جائز ٹھہرا(۲۶)۔

﴿فَابْعَثُواْ حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلاَحاً يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا﴾(۲۷)

''تو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف شخص عورت کے خاندان سے منتخب کر کے بھیجو اگر یہ دونوں اصلاح کا ارادہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی کے درمیان موافقت کی راہ پیدا کرے گا(۲۸)

سنت کی روشنی میں وکالت کا جواز:

مشروعیت وکالت کی تائید میں بہت سی احادیث بھی وارد ہیں۔ مثلاً

أنّ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بعث حكيم بن حزام يشترى له أضحية بدينار فاشترى أضحية فاربح فيها دينارا فاشترى أخرى مكانها فجاء بالأضحية والدينار إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ضحّ بالشاة وتصدق بالدينار(۲۹)

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ایک قربانی کا جانور ایک دینار پر خریدیں تو انہوں نے جانور خریدا اور اس میں ایک دینار کا فائدہ اٹھایا تو آپ نے ایک دوسرا جانور اسی جگہ خریدا تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جانور اور ایک دینار لے کر حاضر ہوئے سو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جانور کو ذبح کرا اور دینار کو صدقہ میں دے دیں''

عن أبى نعيم وهب بن كيسان عن جابر بن عبد الله أنّه سمعه يحدث قال أردت الخروج إلى خيبر فأتيت النبى ﷺ فسلمت عليه وقلت إنى أردت

الخروج إلى خيبر فقال إذا أتيت وكيلي فخذ منه خمسة عشر وسقا فان ابتغى منك آية فضع يدك على ترقوته(۳۰)

ابی نعیم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا۔ میں نے آپ ﷺ کو کہا کہ میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آپ میرے وکیل کے پاس جائیں تو ان سے پندرہ وسق لے لو اور اگر وہ وکیل آپ سے نشان کا مطالبہ کرے تو آپ اس کی ہنسلی پر اپنا ہاتھ رکھئے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ:

"عن علی رضی الله عنه أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم أمره أن يقسم بدنة كلها لحومها وجلودها للمساكين"(۳۱)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے جانور کا تمام گوشت، جھول اور چمڑے مساکین میں تقسیم کرو''۔

اجماع کی رو سے مشروعیت وکالت:

امت اسلامیہ کا بھی اس پر اجماع ہے کہ وکالت ایک مشروع امر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک کسی نے بھی اس بات کی مخالفت نہیں کی (۳۲)۔

عقل کی اساس پر وکالت کا جواز:

عقل اور نصوص کی عقلی تعبیر بھی وکالت کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بسا اوقات ایک انسان کو دوسرے انسان کی ضرورت پیش آتی ہے وجہ یہ ہے کہ انسان ہر لحاظ سے کامل نہیں ہوسکتا۔ کبھی سفر میں کبھی مرض، کبھی زیادہ مصروفیات اور مشغولیت کی وجہ سے اپنے تمام امور سرانجام نہیں دے سکتا۔ اس لئے اس کو اپنے معاملات صحیح نہج پر چلانے کے لئے دوسرے شخص کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اس کی طرف سے اس کے معاملات کو طے کرے۔ مندرجہ بالا امور کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص درپیش معاملہ

کوخود دکما حقہٗ نہیں حل کرسکتا اور خدشہ ہوگا کہ اس کے حق پر کوئی ناجائز طور پر قبضہ کرے۔ یا مثلاً ہوسکتا ہے کہ ایک عورت معاملہ کو خود مجبوری کی بناء پر نہ کرسکتی ہو تو ان صورتوں میں ان کو وکیل کی ضرورت ہوگی۔

اور پھر یہ ایک قسم کا تعاون بھی ہے کہ جو وکیل مقرر ہوگا اس کا روزینہ وغیرہ مؤکل کے ذمہ ہوگا تو یہ بھی ایک کارخیر ہے۔

بہرحال خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وکالت پر کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اجماع اور عقلی تعبیرات کے اعتبار سے ایک جائز امر ہے۔

وکالۃ بالخصومۃ

(Advocacy in Litigation)

لغت میں خصومت بمعنی لڑائی کے آتا ہے۔ جبکہ خصم مدمقابل یا مخالف کو کہا جاتا ہے۔ اس طرح اخصمہ کا معنی ہوگا جھگڑا کرنے کے لئے دلیل سمجھانا(۳۳)۔

اصطلاحاً اقرار یا انکار کے ذریعے مدمقابل کے جواب کو خصومۃ کہتے ہیں(۳۴)۔

وکالۃ بالخصومۃ کا جواز:

نصوص قرآنیہ اور احادیث سے وکالۃ بالخصومۃ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾(۳۵)

''اور آپ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں''(۳۶)

اور

﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ﴾(۳۷)

''اور آپ ان کی طرف سے فریق بن کر کوئی جوابدہی نہ کیجئے جو خود اپنے حق میں خیانت کر رہے ہیں(۳۸)۔

اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" فَمَن يُجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلا"(۳۹)

''پھر قیامت کے دن ان کا طرفدار بن کر اللہ تعالیٰ سے کون جوابدہی کرے گا یا وہ کون شخص ہے جواس دن اس کا وکیل بنے گا''(۴۰)

اشارۃ النص یہ بتاتی ہے کہ توکیل فی الخصومۃ برائے ''حق انگیزی'' جائز ہے۔یعنی اگر خیانت کار کی طرف سے وکالت ممنوع ہے تو جو خیانت کار نہیں ہے اس کی طرف سے وکالت جائز ہوگی۔لیکن اس مسئلہ کا ایک اور پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو حقدار ہو وہ کسی وجہ سے خود اپنے معاملات و مقدمات کو صحیح طور پر حل نہ کرسکتا ہو تو اس وقت ضرورت ہوگی کہ کسی اہل علم سے مشورہ کرے اور اس بات کا قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَاسۡأَلُوٓاْ أَهۡلَ الذِّكۡرِ إِن كُنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ ﴾(۴۱)

''اگر تم کو اس کا علم نہیں تو اہل کتاب سے پوچھ دیکھو''(۴۲)

بہت سی احادیث سے بھی یہ مترشح ہوتا ہے کہ خصم کے خاموش کرنے کے لئے بلیغ لوگوں سے مدد لینا جائز ہے جس طرح کہ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے:

عن ابن عباس (رضى الله عنهما) قال قدم مسيلمة الكذاب على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعل يقول إن جعل لي محمد الأمر من بعده تبعته وقدمها في بشرٍ كثيرٍ من قومه فأقبل إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه ثابت بن قيس بن شماس وفي يد رسول الله صلى الله عليه وسلم قطعة جريد حتى وقف على مسيلمة في أصحابه فقال لو سألتني هذه القطعة ما أعطيتها ولن تعدو أمر الله فيك ولئن أدبرت ليغفرنك الله وإنّي لأراك الّذي أرأيت فيه ما رأيت وهذا ثابت يجبك عن ثم انصرف عنه(۴۳)

''حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب مدینہ آیا اور کہنے لگا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد مجھ کو اپنا جانشین مقرر کریں تو میں ان کی تابعداری کرتا ہوں۔مسیلمہ اپنے ساتھ اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کو لایا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ ثابت بن قیس بن

شماس تھے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک کھجور کی چھڑی تھی۔ آپ ﷺ مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں کے سامنے کھڑے ہوگئے اور آپ ﷺ نے مسیلمہ کو فرمایا اگر تو مجھ سے یہ چھڑی مانگے تب بھی نہیں دوں گا، اور اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھا ہے تو اس سے نہیں بچ سکتا اور اگر تو اسلام نہ لائے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ کو تباہ کردے گا اور میں تو سمجھتا ہوں تو وہی شخص ہے جس کا حال اللہ تعالیٰ مجھ کو دکھلا چکا ہے اور میری طرف سے یہ ثابت بن قیس تجھ سے گفتگو کرے گا یہ فرما کر آپ ﷺ لوٹ آئے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تعامل سے بھی وکالت کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپؓ نے خصومت کے مقدمات کے لئے اپنے بھائی حضرت عقیلؓ کو وکیل مقرر کیا۔ اور حضرت عقیلؓ آپؓ کی طرف سے مقدمات میں پیش ہوا کرتے تھے۔ جب حضرت عقیلؓ بوڑھے ہوگئے تو حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو اس کام کے لئے وکیل مقرر کیا۔ کیونکہ آپؓ مقدمہ بازی کے لئے بہت کم خود حاضر ہوتے تھے۔ اس بارے میں آپؓ کا یہ قول بہت مشہور ہوا کہ:

"انّ الشیطان لیحضرھا و ان لھا قحما"(۴۴)

''شیطان ان مقدمات میں حاضر ہوتا ہے اور ان مقدمہ بازیوں میں ہلاکت کا سامان ہے''

بہرحال وکالۃ بالخصومۃ کے جواز سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی میں بہت سے ایسی علائق اور رکاوٹیں آسکتی ہیں کہ مختلف وجوہات کی وجہ سے انسان اپنی جگہ کسی اور کو اپنا وکیل بنانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وکالۃ بالخصومۃ کے جواز کی اساس یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان خود مکلّف ہے کہ وہ علم حاصل کرے۔ اور حصول علم کے ذریعے اپنے حقوق و فرائض پہچان لے۔

حدیث میں ہے کہ:

"طلب العلم فریضة علی کلم مسلم و مسلمة"(۴۵)

اور قرآن پاک میں بھی تاکید کی گئی ہے کہ:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُواْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾(۴۶)

''سو ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک مختصر جماعت نکلا کرے تا کہ

باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے رہیں اور جب یہ مجاہدین ان کی طرف واپس آئیں تو یہ دین حاصل کرنے والے ان کو خدا کے احکام سنا کر ڈرائیں تا کہ وہ گناہ سے بچتے رہیں"(۴۷)

یعنی یہ کہ اسلام نے ہر ایک پر لازم کیا ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق وفرائض معلوم کرے انکی ادائیگی اور لینے دونوں کے طریقے معلوم کرے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان بیک وقت تمام حقوق وفرائض کا علم حاصل نہیں کر سکتا۔ جہاں تک فرائض عینیہ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا تعلق ہے ان کا حصول تو مشکل نہیں ہے لیکن بہت سے دوسرے فرائض کے جاننے اور بعض اوقات اپنے حقوق کی حفاظت ودفاع کے لئے اس کو دوسرے کی مدد اور تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہی وکالۃ بالخصومۃ کے جواز کی اساس ہے۔ کیونکہ شریعت انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتی۔ تو اگر وکالۃ بالخصومۃ کی اجازت نہ ملے تو اس سے حقوق تلفی کا اندیشہ ہے۔ اسلامی تاریخ میں کئی ایسے نام ملتے ہیں جنہوں نے قضاۃ کے سامنے اپنے مؤکلوں کی وکالت کی۔

مثلاً محمد بن محمد المقری الوکیل (۵۹۱ھ) کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ قاضیوں کے سامنے بطور وکیل کے پیش ہوتے تھے(۴۸)۔

اسی طرح ابوالفضائل احمد بن رزق اللہ بن محمد (۵۰۴ھ) کا ذکر انہی قسم کے علماء میں ہوتا ہے(۴۹)۔

شریعت میں وکالۃ بالخصومۃ کے لئے شرائط:

توکیل بالخصومۃ کے لئے مالکیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

۱۔ یہ کہ وکیل بالخصومۃ (Advocate in litigation) ایک سے زیادہ نہ ہو۔ البتہ اگر خصم (Opponent) اس کی اجازت دے دیں تو جائز ہوگا جبکہ خصومۃ (Litigation) کے علاوہ دوسرے معاملات میں ایک سے زیادہ وکیل کا تعین جائز ہے۔

۲۔ یہ کہ وکیل خصم (Opponent) کا دشمن نہ ہو۔

کیونکہ اگر وکیل خصم (Opponent) کا دشمن ہو تو عین ممکن ہے کہ اس کو ناکام بنانے کے لئے حربہ استعمال کرے۔

۳۔ یہ کہ خصومت (Litigation) کا تعین ہونا چاہئے۔ یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ یہ کہے کہ میں نے ہر اس شخص

کے خلاف وکیل مقرر کیا جو مجھ پر دعوی کرے۔

۴۔ یہ کہ مؤکل خود حاکم کے سامنے خصومت (Litimation) کے وقت نہ ہو۔ اور اگر مؤکل خود آیا، اور تین مجالس میں اس نے شرکت کی تو اس کے بعد وکیل کے لئے وکالت کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے معاملہ طول پکڑنے کا اندیشہ ہے(۵۰)۔

حنفیہ کے ہاں وکالۃ بالخصومۃ جائز ہے اور اس میں وہ فرق نہیں کرتے کہ ایک وکیل ہے یا زیادہ۔ البتہ رضاء بالخصم کے بارے میں ان کے نزدیک دو آراء پائی جاتی ہیں۔ بعض حنفیہ نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دی ہے کہ خصم کی رضا کے بغیر توکیل جائز نہیں ہے اور بعض نے صاحبینؒ کے قول کو ترجیح دی ہے کہ وکالت خصم (Opponent) کی رضا کے بغیر چاہے مدعی ہو یا مدعی علیہ دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ اور دوسروں نے معاملہ قاضی کے سپرد کیا ہے کہ وہ معاملہ کو دیکھے اور اس کے مطابق اجازت یا عدم اجازت دے دیں۔ لیکن یہ تیسری صورت اس وقت جائز ہوگی جب قاضی محل تہمت نہ ہو ورنہ پھر صاحبینؒ کی رائے راجح ہے(۵۱)۔

اسی طرح حنفیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل صورتوں میں خصم کی رضاء کے بغیر بھی توکیل بالخصومۃ جائز ہے۔

۱۔ یہ کہ مؤکل مریض ہو یعنی مرض ایسا ہو کہ اس کو عدالت تک جانے سے روکے۔

۲۔ یہ کہ مؤکل سفر میں ہو اور قرینہ ایسا پایا جائے کہ وہ واقعی سفر میں ہے۔

۳۔ پردہ دار عورت ہو جو عادتاً مردوں کے ساتھ اختلاط نہیں کرتی۔

۴۔ یہ کہ مؤکل خود اچھا بیان اور وضاحت نہیں کرسکتا ہو۔

جہاں تک مالی معاملات میں وکالۃ بالخصومۃ کا تعلق ہے تو معاملہ اگر قرض کا ہے اور مؤکل نے وکیل کو وصولی قرض کی اجازت نہ دی ہو تو اس صورت میں وکیل اس وصولی قرض کا مجاز نہیں ہے۔ البتہ اگر مؤکل نے اس کو وصولی قرض کے لئے وکیل مقرر کیا ہو اور بغیر خصومت کے یہ وصولی قرض ممکن نہ ہو تو وکیل بلا اجازت مؤکل خصومت کرسکتا ہے کیونکہ یہ وصولی قرض کا ایک ذریعہ ہے۔

اسی طرح بلا اجازت مؤکل وکیل بالخصومۃ صلح کا بھی مجاز نہیں ہے۔ وکیل بالخصومۃ کا اقرار حسب ذیل شرائط کے ساتھ معتبر سمجھا جائے گا۔

۱۔ یہ کہ وہ مجلس قضاء میں اقرار کرے اگر اس نے مجلس قضاء سے باہر اقرار کیا تو وہ معتبر نہیں ہوگا۔

۲۔ یہ کہ اقرار مؤکل کی طرف سے حدود اور قصاص میں نہ ہو کیونکہ جب تک مؤکل خود ان کا اقرار نہیں کرتا

کسی اور اقرار کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ یہ کہ مؤکل نے وکیل کو اقرار سے منع کیا تو اس صورت میں بھی کسی بھی معاملہ میں وکیل کے اقرار کو معتبر نہیں سمجھا جائے گا(۵۲)۔

نتائج البحث

معاشرے میں عدل کا قیام ایک انفرادی فریضہ بھی ہے اور ایک اجتماعی فریضہ بھی۔ کیونکہ اس کے قیام کے بغیر ایک فلاحی معاشرے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام ایک ایسے معاشرے کا خواہاں ہے کہ اس میں ہر فرد اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے اور وہ کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ عدالت کے قیام کا اہم ذریعہ ہے۔ اور حقوق، رسانی کے حوالے سے اس کا اہم کردار ہے۔ اس حوالے سے جب مدعی اور مدعا علیہ عدالت میں خود پیش ہوتے ہیں تو عدالت کو صحیح فیصلہ تک پہنچنے میں آسانی ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات کسی شرعی عذر کی بناء پر فریقین میں سے ایک یا دونوں عدالتی کارروائی میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے لئے وکیل نامزد کرتا ہے۔ شرعی لحاظ سے وکالت بالخصومۃ جائز ہے۔ قرآن پاک، سنت اور اجماع کی رو سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ فقہائے کرام نے اس حوالے سے مؤکل اور وکیل دونوں کے شرائط کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اور اگر ان شرائط کا خیال رکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ وکالۃ بالخصومۃ حقدار کو حق پہنچانے کا ذریعہ ثابت نہ ہو جائے۔

حواشی ومصادر

۱۔ ابن منظور، محمد بن مکرم ***لسان العرب***۔ قم: نشر أدب الحوزة، ۱۴۰۵ھ، مادہ: وکل

۲۔ المزمل: ۹

۳۔ دہلوی، سعید احمد، مولانا ***کشف القرآن***۔ لاہور: مکتبہ رشیدیہ، ج ۲ ص ۱۱۹۔

۴۔ بلیاوی، عبدالحفیظ أبوالفضل ***مصباح اللغات***۔ لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۱ء، مادۃ وکل۔

۵۔ أیضا۔

۶۔ قلعہ جی، رواس ***معجم لغۃ الفقہاء***۔ ط ا۔ بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۵ء، مادہ: وکل۔

۷۔ أیضا۔

۸۔ آل عمران:۱۷۳

۹۔ کشف القرآن، ج۱،ص۱۱۴

۱۰۔ الانعام:۱۰۷

۱۱۔ کشف القرآن، ج۱،ص۱۱۴

۱۲۔ القصص:۲۸

۱۳۔ کشف القرآن، ج۲، ص۶۲۰

۱۴۔ الزمر:۶۲

۱۵۔ کشف القرآن، ج۲،ص۱۴۲۔

۱۶۔ النساء:۱۰۹

۱۷۔ کشف القرآن، ج۱،ص۱۵۱۔

۱۸۔ المزمل:۹

۱۹۔ کشف القرآن، ج۲، ص۹۱۹۔

۲۰۔ ابن الھمام، کمال الدین محمد بن عبداللہ الواحد *شرح فتح القدیر*. بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۶ء، ج۶،ص۵۵۴۔

۲۱۔ الکھف:۱۹

۲۲۔ کشف القرآن، ج۲،ص۴۷۰

۲۳۔ ابن العربی، ابوبکر عبداللہ *احکام القرآن*. بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۵ء، ج۳ ص۲۲۸۔

۲۴۔ التوبہ:۶۰

۲۵۔ کشف القرآن، ج۱،ص۱۳۲

۲۶۔ احکام القرآن، ج۲،ص۹۶۱

۲۷۔ النساء:۳۵

۲۸۔ کشف القرآن، ج۱،ص۲۳۱

۲۹۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، **السنن**۔ دہلی: نور محمد، اصح المطابع، کتاب البیوع، باب ماجاء فی اشتراء الولاء والزجر عن ذلک

۳۰۔ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، الامام **السنن**۔ لاہور: اسلامی اکادمی، کتاب الاقضیۃ، باب الوکالۃ۔

۳۱۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، الامام **السنن**۔ بیروت: داراحیاء التراث، کتاب الاضاحی، باب جلود الاضاحی۔

۳۲۔ شرح فتح القدیر، ج۷، ص۸۷

۳۳۔ لسان العرب، مادۃ خصم۔

۳۴۔ معجم لغۃ الفقہاء مادۃ خصم۔

۳۵۔ النساء: ۱۰۵

۳۶۔ کشف القرآن، ج۱ص۱۵۰

۳۷۔ النساء: ۱۰۷

۳۸۔ کشف القرآن، ج۱ص۱۵۱

۳۹۔ النساء: ۱۰۹

۴۰۔ کشف القرآن، ج۱ص۱۵۱۔

۴۱۔ الانبیاء: ۷

۴۲۔ کشف القرآن، ج۲، ص۱۵۴۔

۴۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الامام **الجامع الصحیح**۔ دہلی: نور محمد، اصح المطابع، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ وحدیث ثمامہ بن اثال۔

۴۴۔ البیہقی، احمد بن حسین **السنن الکبریٰ**۔ ملتان: نشر السنۃ، کتاب الوکالۃ، باب التوکیل فی المال وطلب الحقوق۔

۴۵۔ أیضا

۴۶۔ التوبۃ: ۱۲۲

۴۷۔ کشف القرآن، ج۱ ص۳۸۲

۴۸۔ الصفدی، صلاح الدین بن خلیل ***الوافی بالوفیات***. بیروت: دار احیاء التراث العربی، س.ن. ج۲ ص۳۷۔

۴۹۔ أیضا، ج۶، ص۲۳۴۔

۵۰۔ الجزیری، عبدالرحمان ***الفقہ علی المذاھب الاربعہ***. بیروت: داراحیاء التراث العربی، ج۴، ص۲۰۱۔

۵۱۔ أیضا۔

۵۲۔ الشعرانی، ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد الشافعی ***المیزان الکبری***. بیروت: دارالکتب العلمیہ، ج۲، ص۱۱۱۔